کی اور پھر وہ بھی دو آیتوں میں کوئی ضرورت ہی نہ تھی، جیسے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ والی آیت میں ان عورتوں کی تفصیل دی جن سے نکاح حرام ہے، اور وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ فرما کر دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت بتلائی گئی ہے، اسی طرح یہ بھی فرما دیا جاتا کہ ایک وقت میں ایک سے زائد بیویاں رکھنا حرام ہے، اور پھر اَنْ تَجْمَعُوْا کے ساتھ بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ کی قید فضول ہو جاتی، اسی ایک ہی جملہ میں یوں فرما دیا جاتا وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ امْرَاَتَيْنِ یعنی مطلقاً دو عورتوں کو نکاح میں جمع رکھنا حرام ہے، مگر قرآن کریم نے اس مختصر کلام کو چھوڑ کر نہ صرف ایک طویل عبارت اختیار کی، بلکہ دو آیتوں میں اس کی تفصیل بیان فرمائی، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آیت وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ بھی ایک حیثیت سے اس کا جواز بتلا رہی ہے، کہ ایک سے زائد عورتوں کو نکاح میں جمع رکھنا تو جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ دونوں آپس میں بہنیں نہ ہوں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا

اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور ہم نے حکم دیا ہے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا

پہلے کتاب والوں کو اور تمکو کہ ڈرتے رہو

اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

اللہ سے اور اگر نہ مانوگے تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے

الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

زمین میں اور اللہ ہے بے پرواہ سب خوبیوں والا اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ

اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ کافی ہے کارساز اگر چاہے تو تم کو دور کر دے

اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

اے لوگو اور لے آئے اور لوگوں کو اور اللہ کو یہ قدرت ہے،

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا

جو کوئی چاہتا ہو ثواب دنیا کا سو اللہ کے یہاں ہے ثواب دنیا کا

ع ۱۹ ۸ ۱۶

وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

اور آخرت کا اور اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے۔

ربطِ آیات عورتوں اور یتیموں کے احکام بیان کرنے کے بعد قرآنی اسلوب کے مطابق پھر ترغیب و ترہیب کا مضمون ارشاد فرمایا گیا۔

خلاصۂ تفسیر

اور اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں (تو ایسے مالک کے احکام کا ماننا بہت ہی ضروری ہے) اور (بجا آوری احکام کا خطاب خاص تم ہی کو نہیں ہوا بلکہ) واقعی ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا تھا جن کو تم سے پہلے کتاب (آسمانی یعنی توراۃ و انجیل) ملی تھی اور تم کو بھی (حکم دیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو (جسکو تقویٰ کہتے ہیں، جس میں تمام احکام کی موافقت داخل ہے، اسی لئے اس سورۃ کو تقویٰ سے شروع کر کے اس کی تفصیل میں مختلف احکام لاتے ہیں) اور (یہ بھی ان کو اور تم کو سنا دیا تھا کہ) اگر تم ناشکری کروگے (یعنی احکامِ الٰہیہ کی مخالفت کروگے) تو (خدا تعالیٰ کا کوئی ضرر نہیں ہاں تمہارا ہی ضرر ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ کی (تو) ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں (ایسے بڑے سلطان کا کیا ضرر ہوگا، البتہ ایسے بڑے سلطان کی مخالفت بلاشک مضر ہے) اور اللہ تعالیٰ (کسی کی اطاعت) کے حاجت مند نہیں (اور خود اپنی ذات میں) محمود (و کامل الصفات) ہیں (پس کسی کی مخالفت سے ان کی صفات میں کوئی نقص لازم نہیں آتا) اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں اور (جب وہ ایسے قادر و مختار ہیں تو اپنے اطاعت گذار بندوں کے لئے وہ) اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں (پس ان کی کارسازی کے ہوتے ان کے فرمانبرداروں کو کون ضرر پہنچا سکتا ہے، پس کسی سے ڈرنا نہ چاہئے، اور اللہ تعالیٰ جو تم کو دین کے کام بتلاتے ہیں تو تمہاری ہی سعادت کے لئے ورنہ وہ دوسروں سے بھی کام لے سکتے ہیں، کیونکہ ان کی ایسی قدرت ہے کہ) اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اے لوگو تم سب کو فنا کر دیتا اور دوسروں کو موجود کر دیتا (اور ان سے کام لے لیتا، جیسا دوسری آیت میں ہے اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ الخ (۴۷: ۳۸) اور اللہ اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں (پھر ایسا جو نہیں کیا تو ان کی عنایت ہے، اطاعتِ حکم کو غنیمت سمجھ کر سعادت حاصل کرو اور دیکھو دین کے کام کا اصل ثمرہ آخرت میں ہے دنیا میں نہ ملنے سے بد دل نہ ہونا بلکہ) جو شخص (دین کے کام میں) دنیا کا معاوضہ

چاہتا ہو تو (وہ بڑی غلطی میں ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ کے پاس (یعنی ان کی قدرت میں) تو دنیا اور آخرت دونوں کا معاوضہ (موجود) ہے (جب ادنیٰ اعلیٰ دونوں پر ان کی قدرت ہے، تو اعلیٰ ہی چیز کیوں نہ مانگی جائے) اور اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں (سب کے اقوال اور درخواستوں کو دنیا کی ہوں یا دین کی سنتے ہیں، اور سب کی نیتوں کو دیکھتے ہیں، پس طالبانِ آخرت کو ثواب دیں گے، اور طالبانِ دنیا کو آخرت میں محروم رکھیں گے پس آخرت ہی کی نیت اور درخواست کرنا چاہئے، البتہ دنیا کی حاجت مستقل طور پر مانگنا مضائقہ نہیں، لیکن عبادت میں یہ قصد نہ کرے)۔

معارف و مسائل

فوائد مہمہ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، یعنی اللہ کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات" اس جگہ ان الفاظ کو تین مرتبہ دُہرایا گیا، اوّل سے کشائش اور وسعت مقصود ہے کہ اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں، دوسرے سے بے نیازی اور بے پروائی کا بیان مقصود ہے کہ اس کو کسی کی پرواہ نہیں اگر تم منکر ہو، تیسری دفعہ میں رحمت اور کارسازی کا اظہار ہے کہ اگر تقویٰ اور اطاعت اختیار کرو تو وہ تمہارے سب کام بنا دے گا۔

تیسری آیت میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تم سب کو فنا کر دے اور دنیا سے اٹھالے، اور دوسرے لوگ مطیع و فرمانبردار پیدا کر دے، اس سے بھی حق تعالیٰ کا استغناء اور بے نیازی خوب ظاہر ہو گئی، اور نافرمانوں کو پوری طرح تہدید اور تخویف بھی ہو گئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ

اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ

لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ

کی طرف اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا اگر

يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ

کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ اس کا خیرخواہ تم سے زیادہ ہے سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی انصاف

تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا

کرنے میں اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے سب کاموں

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾

سے واقف ہے۔

خلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو (تمام معاملات میں ادائے حق کے وقت بھی اور فیصلہ کے وقت بھی) انصاف پر خوب قائم رہنے والے (اور اقرار یا شہادت کی نوبت آوے تو) اللہ (کی خوشنودی) کے لئے (سچی) گواہی (اور اظہار) دینے والے رہو اگرچہ (وہ گواہی اور اظہار) اپنی ہی ذات کے خلاف ہو (جس کو اقرار کہتے ہیں) یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو (اور گواہی کے وقت یہ خیال نہ کرو کہ جس کے مقابلہ میں ہم گواہی دے رہے ہیں یہ امیر ہے اس کو نفع پہنچانا چاہئے، تاکہ اس سے بے مروتی نہ ہو، یا یہ کہ یہ غریب ہے اس کا کیسے نقصان کر دیں، تم گواہی دینے میں کسی کی امیری غریبی یا نفع و نقصان کو نہ دیکھو، کیونکہ) وہ شخص (جس کے خلاف گواہی دینی پڑے گی) اگر امیر ہے تو اور غریب ہے تو، دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے (اتنا تعلق تم کو نہیں، کیونکہ تمہارا تعلق جس قدر ہے وہ بھی انہی کا دیا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا جو تعلق ہے وہ تمہارا دیا ہوا نہیں، پھر جب باوجود قوی تعلق کے اللہ تعالیٰ نے ان کی مصلحت اسی میں رکھی ہے کہ گواہی میں حق بات کہی جائے خواہ اس سے وقتی طور پر کچھ نقصان بھی پہنچ جائے تو تم ضعیف تعلق کے باوجود اپنی شہادت میں ان کی ایک عارضی مصلحت کا کیوں خیال کرتے ہو) سو تم (اس شہادت میں) خواہش نفس کا اتباع مت کرنا، کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ، اور اگر تم کج بیانی کرو گے (یعنی غلط گواہی دو گے) یا پہلوتہی کرو گے (یعنی شہادت کو ٹالو گے، تو یاد رکھنا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

معارف و مسائل

دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابیں بھیجنے کا اصل مقصد عدل و انصاف کا قیام ہے اسی سے دنیا کا امن و امان قائم رہ سکتا ہے

سورۂ نساء کی اس آیت میں تمام مسلمانوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے اور سچی گواہی دینے کی ہدایت کی گئی ہے، اور جو چیزیں قیام عدل یا سچی گواہی میں رکاوٹ ہو سکتی ہیں ان کو نہایت بلیغ انداز میں دور کیا گیا ہے، اسی مضمون کی ایک آیت سورۂ مائدہ میں بھی آنے والی ہے، دونوں کا مضمون بلکہ الفاظ بھی تقریباً مشترک ہیں، اور سورۂ حدید کی آیت ۲۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ بنا کر بھیجنے کا اور پھر ان کے

بعد دوسرے انبیاء علیہم السلام کو یکے بعد دیگرے بحیثیت خلیفۃ اللہ بھیجتے رہنے کا، اور ان کے ساتھ بہت سی کتابیں اور صحیفے نازل فرمانے کا اہم مقصد یہی تھا، کہ دنیا میں انصاف اور اس کے ذریعہ امن وامان قائم ہو، ہر فرد انسانی اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں انصاف کو اپنا شعار بنالے، اور جو سرکش لوگ وعظ وپند اور تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ عدل وانصاف پر نہ آئیں، اپنی سرکشی پر اڑے رہیں، ان کو قانونی سیاست اور تعزیر وسزا کے ذریعہ انصاف پر قائم رہنے کے لئے مجبور کیا جائے۔

سورۂ حدید کی پچیسویں آیت میں اس حقیقت کو اس طرح واضح فرمایا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ.

"یعنی ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر، اور ہم نے اتارا لوہا اس میں بڑا رعب ہے اور اس سے لوگوں کے کام چلتے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ بعثتِ انبیاء اور تنزیلِ کتب سماویہ کا سارا نظام انصاف ہی کے لئے کھڑا کیا گیا ہے، رسولوں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا اسی مقصد کے لئے عمل میں آیا ہے، اور آخر میں لوہا اُتارنے کا ذکر کرکے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ سب لوگوں کو انصاف پر قائم رکھنے کے لئے صرف وعظ ونصیحت ہی کافی نہ ہوگی، بلکہ کچھ شریر لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو لوہے کی زنجیروں اور دوسرے ہتھیاروں سے مرعوب کرکے انصاف پر قائم کیا جائے گا۔

عدل وانصاف پر قائم رہنا صرف حکومت کا فریضہ نہیں بلکہ ہر انسان اس کا مکلف ہے

سورۂ حدید کی آیت مذکورہ اور سورۂ نساء کی اس آیت میں اسی طرح سورۂ مائدہ کی آیت كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝ (آیت ۸) سے واضح طور پر یہ ہدایت دی گئی ہے کہ انصاف قائم کرنا اور اس پر قائم رہنا صرف حکومت اور عدالت کا فریضہ نہیں بلکہ ہر انسان اس کا مکلف ومخاطب ہے کہ وہ خود انصاف پر قائم رہے اور دوسروں کو انصاف پر قائم رکھنے کے لئے کوشش کرے، ہاں انصاف کا صرف ایک درجہ حکومت اور حکام کے ساتھ مخصوص ہے، وہ یہ کہ شریر اور سرکش انسان جب انصاف کے خلاف اڑ جائیں، نہ خود انصاف پر قائم

رہیں نہ دوسروں کو عدل وانصاف کرنے دیں، تو حاکمانہ تعزیر اور سزا کی ضرورت ہے، یہ اقامتِ عدل وانصاف ظاہر ہے کہ حکومت ہی کر سکتی ہے جس کے ہاتھ میں اقتدار ہے۔

آج کی دنیا میں جاہل عوام کو چھوڑیئے لکھے پڑھے تعلیم یافتہ حضرات بھی یہ سمجھتے ہیں کہ انصاف کرنا صرف حکومت وعدالت کا فریضہ ہے، عوام اس کے ذمہ دار نہیں ہیں، اور یہی وہ سب سے بڑی وجہ ہے جس نے ہر ملک ہر سلطنت میں حکومت اور عوام کو دو متضاد فریق بنادیا ہے، راعی اور رعیت کے درمیان خلاف واختلاف کی وسیع خلیج حائل کردی ہے، ہر ملک کے عوام اپنی حکومت سے عدل وانصاف کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن خود کسی انصاف پر قائم رہنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اسی کا نتیجہ ہے جو دنیا آنکھوں سے دیکھ رہی ہے، کہ قانون معطل ہے، جرائم کی روز افزوں ترقی ہے، آج ہر ملک میں قانون سازی کے لئے اسمبلیاں قائم ہیں، اُن پر کروڑوں روپیہ خرچ ہوتا ہے، ان کے نمائندے منتخب کرنے کے لئے الیکشن میں خدا کی پوری زمین ہل جاتی ہے، اور پھر یہ پورے مُلک کا دل ودماغ ملک کی ضروریات اور لوگوں کے جذبات واحساسات کو سامنے رکھتے ہوئے بڑی احتیاط کے ساتھ قانون بناتے ہیں، اور پھر رائے عامہ کے لئے شائع کرتے ہیں، رائے عامہ معلوم کرنے کے بعد یہ قانون قابلِ تنفیذ سمجھا جاتا ہے پھر اس کے نفاذ کے لئے حکومت کی لاتعداد مشینری حرکت میں آتی ہے جس کے ہزاروں بلکہ لاکھوں شعبے ہوتے ہیں، اور ہر شعبہ میں ملک کے بڑے بڑے آزمودہ کار لوگوں کی محنتیں بروئے کار آتی ہیں، لیکن چلی ہوئی رسوم کی دنیا سے ذرا نظر کو اونچا کرکے دیکھا جائے، اور جن لوگوں کو خواہ مخواہ تہذیب اور شائستگی کا ٹھیکہ دار مان لیا گیا ہے تھوڑی دیر کے لئے ان کی کورانہ تقلید سے نکل کر حقیقت کا جائزہ لیا جائے تو ہر شخص بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ ؎

نگاہِ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے
مری نظروں میں پھیکا رنگِ محفل ہوتا جاتا ہے

اب سے سو سال پہلے ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک کا ہی موازنہ کریں، اعداد وشمار محفوظ ہیں وہ گواہی دیں گے کہ جوں جوں قانون سازی بڑھی، قانون میں عوام کی مرضی کی نمائش بڑھی اور تنفیذ قانون کے لئے مشینری بڑھی، ایک پولیس کے بجائے مختلف اقسام کی پولیس بروئے کار آئی اتنے ہی روز بروز جرائم بڑھے، اور لوگ انصاف سے دور ہوتے چلے گئے، اور اسی رفتار سے دنیا کی بدامنی بڑھتی چلی گئی۔

امنِ عالم کی ضمانت صرف عقیدۂ آخرت اور خوفِ خدا دے سکتا ہے

کوئی مردِ رشید نہیں جو آنکھ کھول کر دیکھے، اور جاہلی رسوم کی جکڑ بندی کو توڑ کر ذرا رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کو سوچے سمجھے، اور اس حقیقت پر غور کرے کہ دنیا کا امن و سکون نرے تعزیرات سے نہ کبھی حاصل ہوا نہ آئندہ ہوگا، عالم کے امن و امان کی ضمانت صرف عقیدۂ آخرت اور خوفِ خدا دے سکتا ہے، جس کے ذریعہ سارے فرائض راعی اور رعیت اور عوام اور حکومت میں مشترک ہو جاتے ہیں، اور ہر شخص اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنے لگتا ہے، قانون کے احترام و حفاظت کے لئے عوام یہ کہہ کر آزاد نہیں ہو جاتے کہ یہ کام حکام کا ہے، قرآن مجید کی مذکورہ آیتیں بسلسلہ قیام عدل و انصاف اسی انقلابی عقیدہ کی تلقین پر ختم کی گئی ہیں۔

سورۂ نساء کی اس آیت کے ختم پر اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا کا ارشاد ہوا، اور سورۂ مائدہ کی آیت کے آخر میں اوّل تقویٰ کی ہدایت فرمائی، اور پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ، اور سورۂ حدید کی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔

ان تینوں آیتوں میں حکام اور عوام دونوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے اور قائم رکھنے کی ہدایات دینے کے بعد خواتیم آیات میں سب کی نظریں اس حقیقت کی طرف پھیر دی گئی ہیں جو انسان کی زندگی اور اس کے خیالات اور جذبات میں انقلابِ عظیم پیدا کرنے والی ہے، یعنی خدا تعالیٰ کی قوت و سلطنت اس کے سامنے حاضری اور حساب و کتاب اور جزاء و سزا کا تصور، یہی وہ چیز تھی جس نے اب سے تیرہ سو برس پہلے کی ناخواندہ دنیا کو آج کی نسبت بہت زیادہ امن و سکون بخشا ہوا تھا، اور یہی وہ چیز ہے جس کے نظر انداز کر دینے کی وجہ سے آج کی ترقی یافتہ آسمانوں سے باتیں کرنے والی، ستارے اڑانے والی دنیا امن و چین سے محروم ہے۔

روشن خیال دنیا سائنس کی حیرت انگیز ترقیوں سے وہ آسمان کی طرف چڑھ سکتے ہیں ستاروں پر جا سکتے ہیں، سمندر میں جا سکتے ہیں، لیکن امن و امان اور سکون و اطمینان جو ان سارے سامانوں اور سارے کارخانوں کا اصل مقصد ہے وہ نہ ان کو کسی ستارے میں ہاتھ آئے گا، نہ کسی نئی سے نئی ایجاد میں، وہ ملے گا تو پیغمبرِ عربی روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور ان کی تعلیمات میں، خدا تعالیٰ کو ماننے اور آخرت کے حساب پر عقیدہ رکھنے میں، اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ، سائنس کے حیرت انگیز انکشافات روز بروز خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی بے مثال صنعت کاری کو اور زیادہ روشن کرتے جاتے ہیں

جن کے سامنے ہر انسانی ترقی اپنے عجز و درماندگی کا اعتراف کر کے رہ جاتی ہے، مگر ؎

"چہ سود چوں دلِ دانا و چشم بینا نیست"

قرآن حکیم نے ایک طرف تو دنیا کے سارے نظام کا منشاء ہی قیامِ عدل و انصاف بتلایا، دوسری طرف اس کا ایک بے مثال انتظام ایسا عجیب و غریب فرمایا کہ اگر اس کے پورے نظام کو اپنا یا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو یہی خونخوار و بدکار دنیا ایک ایسے صالح معاشرے میں تبدیل ہو جائے جو آخرت کی جنت سے پہلے نقد جنت ہو، اور ارشادِ قرآنی وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ، جس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ خدا سے ڈرنے والوں کو دو جنتیں ملیں گی، ایک آخرت میں، دوسری نقد دنیا ہی میں، اس کا ظہور مشاہدہ میں آ جائے، اور یہ کوئی صرف فرضی خیال یا خیالی اسکیم نہیں، اس پیغام کے لانے والے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عملی صورت میں لا کر چھوڑا ہے، اور آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ اور دوسرے متبع سنت سلاطین نے جب بھی اس پر عمل کیا تو شیر اور بکری کے ایک گھاٹ پر پانی پینے کی فرضی مثال ایک حقیقت بن کر لوگوں کے مشاہدہ میں آ گئی، غریب و امیر، مزدور و سرمایہ دار کا تفرقہ یک سر مٹ گیا، قانون کا احترام ہر فرد اپنے گھروں کے بند کمروں میں، رات کی تاریکیوں میں کرنے لگا، یہ کوئی افسانہ نہیں، تاریخی حقائق ہیں، جن کا اعتراف غیروں نے بھی کیا، اور ہر صاف دل غیر مسلم بھی اس کے ماننے پر مجبور ہوا۔

مضمونِ آیت کے بعد آیت کی تفسیر تفصیلاً دیکھئے:

مذکورہ آیت میں كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ فرمایا گیا، قسط بکسر القاف کے معنی ہیں عدل و انصاف، اور عدل و انصاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہر صاحبِ حق کا حق پورا ادا کیا جائے، اس کے عموم میں اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی داخل ہیں، اور سب قسم کے انسانی حقوق بھی، اس لئے قیام بالقسط کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور یہ بھی داخل ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکا جائے، مظلوم کی حمایت کی جائے، اور یہ بھی داخل ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکنے اور مظلوم کا حق دلوانے کے لئے شہادت کی ضرورت پیش آئے تو شہادت سے گریز نہ کیا جائے، اور یہ بھی داخل ہے کہ شہادت میں حق اور حقیقت کا اظہار کیا جائے، خواہ وہ کسی کے موافق پڑے یا مخالف، یہ بھی داخل ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت اور انتظام ہے، جب دو فریق کا کوئی مقدمہ ان کے سامنے پیش ہو تو فریقین کے ساتھ برابری کا معاملہ کریں، کسی ایک طرف کسی طرح کا

میلان نہ ہونے دیں، گواہوں کے بیانات غور سے سنیں، معاملہ کی تحقیق میں اپنی پوری کوشش خرچ کریں، پھر فیصلہ میں پورے پورے عدل و انصاف کا معاملہ رکھیں۔

عدل و انصاف کے قیام میں رکاوٹ بننے والے اسباب

سورۂ نساء اور سورۃ مائدہ کی یہ دونوں آیتیں اگرچہ مختلف سورتوں کی ہیں لیکن مضمون دونوں کا تقریباً قدر مشترک ہے، فرق اتنا ہے کہ عدل و انصاف کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی عادۃً دو چیزیں ہوا کرتی ہیں، ایک کسی کی محبت و قرابت یا دوستی و تعلق جس کا تقاضا شاہد کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ شہادت اُن کے موافق دی جائے تاکہ یہ نقصان سے محفوظ رہیں یا ان کو نفع پہونچے اور فیصلہ کرنے والے قاضی یا جج کے دل میں اس تعلق کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ فیصلہ ان کے حق میں دے، دوسری چیز کسی کی عداوت و دشمنی ہے، جو شاہد کو اس کے خلافِ شہادت پر آمادہ کر سکتی ہے، اور قاضی اور جج کو اس کے خلاف فیصلہ دینے کی باعث ہو سکتی ہے، غرض محبت و عداوت دو ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو عدل و انصاف کی راہ سے ہٹا کر ظلم و جور میں مبتلا کر سکتی ہیں، سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ کی دونوں آیتوں میں انہی دونوں رکاوٹوں کو دور کیا گیا ہے، سورۂ نساء کی آیت میں قرابت و تعلق کی رکاوٹ دُور کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، ارشاد ہے: اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ، یعنی اگرچہ تمہاری شہادت اپنے ماں باپ یا قریبی رشتہ داروں ہی کے خلاف پڑے تو بھی حق بات کہنے اور سچی شہادت دینے میں اس تعلق کا لحاظ نہ کرو۔

اور سورۂ مائدہ کی آیت میں عداوت اور دشمنی کی رکاوٹ کو دُور کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى یعنی کسی قوم کا بغض و عداوت بھی تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہونا چاہئے کہ راہِ عدل کو چھوڑ کر ان کے خلاف گواہی یا فیصلہ دینے لگو۔

دونوں آیتوں کے عنوان و تعبیر میں بھی تھوڑا فرق ہے، سورۂ نساء کی آیت میں قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ فرمایا گیا، اور سورۂ مائدہ کی آیت میں قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ارشاد ہوا، یعنی پہلی آیت میں دو چیزوں کی ہدایت ہے، ایک قیام بالقسط اور دوسری شہادت للہ، اور دوسری آیت میں بھی دو ہی چیزیں مامور بہ ہیں، مگر عنوان بدل کر قیام للہ اور شہادت بالقسط۔

اکثر حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس تغیرِ عنوان سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں دراصل ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں، کہیں قیام بالقسط اور شہادت للہ سے تعبیر کر دیا گیا، کہیں قیام للہ اور شہادت بالقسط کے الفاظ سے بیان فرمایا گیا، ان دونوں

آیتوں کے طرزِ بیان میں یہ بات خاص طور پر قابلِ نظر ہے کہ كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ یا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ کا طویل جملہ اختیار فرمایا گیا، حالانکہ عدل و انصاف کا حکم صرف ایک لفظ اَقْسِطُوْا کے ذریعہ بھی دیا جا سکتا تھا، اس طویل جملہ کے اختیار کرنے میں اس طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ اتفاقی طور پر کسی معاملہ میں عدل و انصاف کر دینے سے ذمہ داری پوری نہیں ہو جاتی، کیونکہ کسی نہ کسی معاملہ میں انصاف ہو جانا تو ایک ایسا طبعی امر ہے کہ ہر بُرے سے بُرے اور ظالم سے ظالم حاکم پر بھی صادق ہے، کہ اس سے بھی کسی معاملہ میں تو انصاف ہو ہی جاتا ہے، اس جملہ میں لفظ قَوّٰمِيْنَ استعمال فرما کر یہ بتلایا کہ عدل و انصاف پر ہمیشہ ہر وقت ہر حال اور ہر دوست دشمن کے لئے قائم رہنا ضروری ہے۔

پھر ان دونوں آیتوں میں پوری دنیا کو عدل و انصاف پر قائم کرنے اور قائم کرانے کے لئے جو زرّیں اصول اختیار کئے گئے ہیں وہ بھی قرآن عظیم ہی کی خصوصیات میں سے ہیں۔

ان میں سے ایک اہم چیز تو یہ ہے کہ حکام اور عوام سب کو خدا تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ اور روزِ جزاء کے حساب سے ڈرا کر اس کے لئے تیار کیا گیا ہے کہ عوام خود بھی قانون کا احترام کریں، اور حکام جو تنفیذِ قانون کے ذمہ دار ہیں وہ بھی تنفیذِ قانون میں خدا و آخرت کو سامنے رکھ کر خلقِ خدا کے خادم بنیں، قانون کو خدمتِ خلق اور اصلاحِ عالم کا ذریعہ بنائیں، لوگوں کی پریشانیوں میں اضافہ اور مظلوم کو دفتر گردی کے چکر میں پھنسا کر مزید ظلم پر ظلم کا سبب نہ بنائیں، قانون کو اپنی ذلیل خواہشات یا چند ٹکوں میں فروخت نہ کریں، قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ یا شُهَدَآءَ لِلّٰهِ فرما کر حکام و عوام دونوں کو للّٰہیت اور اخلاصِ عمل کی دعوت دی گئی ہے۔

دوسری بنیادی چیز یہ ہے کہ عدل و انصاف کے قیام کی ذمہ داری پورے افرادِ انسانی پر ڈال دی گئی ہے، سورۂ نساء اور مائدہ میں تو اس کا مخاطب يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فرما کر پوری امتِ مسلمہ کو بنا دیا گیا ہے، اور سورۂ حدید میں لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ فرما کر اس فریضہ کو تمام افرادِ انسانی پر عائد کر دیا گیا ہے، سورۂ نساء کی آیت میں وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ فرما کر اس طرف ہدایت فرما دی کہ انصاف کا مطالبہ صرف دوسروں ہی سے نہ ہو، بلکہ اپنے نفس سے بھی ہونا چاہئے، اپنے نفس کے خلاف کوئی بیان یا اظہار کرنا پڑے تو بھی حق و انصاف کے خلاف کچھ نہ بولے، اگرچہ اس کا نقصان اس کی ذات ہی پر پڑتا ہو کیونکہ یہ نقصان حقیر، قلیل اور عارضی ہے، اور جھوٹ بول کر اس کی جان بچالی گئی تو قیامت کا شدید عذاب اپنی جان کے لئے خرید لیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ
اے ایمان والو یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو
نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ
نازل کی ہے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی تھی پہلے اور جو کوئی
يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
یقین نہ کرے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور کتابوں پر اور رسولوں پر اور قیامت کے دن پر
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۳۶ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا
وہ بہک کر دور جا پڑا ، جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہوئے ،
ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ
پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہوگئے پھر بڑھتے رہے کفر میں تو اللہ ان کو ہرگز
لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝۱۳۷ۭ
بخشنے والا نہیں اور نہ دکھلاوے ان کو راہ۔

ربطِ آیات اوپر زیادہ حصہ احکامِ فرعیہ کا مذکور اور ایمان وکفر کے مباحث کہیں کہیں معاملات مع المخالفین کے ضمن میں آگئے ہیں، آگے یہ مباحث قدرے تفصیل سے مذکور ہوتے ہیں، اور ختم سورت کے بالکل قریب تک چلے گئے ہیں، ترتیب بیان میں اول اس کا بیان ہے کہ شریعت میں ایمان معتبر کیا ہے، پھر کفار کے مختلف فرقوں کی مذمت عقائد میں بھی اور بعض اعمال میں بھی

خلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو (یعنی جو مجملاً ایمان لاکر مؤمنین کے زمرہ میں داخل ہوچکے ہیں، تم عقائد ضروریہ کی تفصیل سن لو کر) اعتقاد رکھو اللہ کی (ذات وصفات کے) ساتھ اور اس کے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت) کے ساتھ اور اس کتاب (کے حق ہونے) کے ساتھ جو اس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) اپنے رسول (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی اور ان کتابوں (کے حق ہونے) کے ساتھ (بھی) جو کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) پہلے (اور نبیوں پر) نازل ہوچکی ہیں (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتب سابقہ پر ایمان لانے میں ملائکہ اور باقی انبیاء علیہم السلام اور یوم قیامت پر ایمان رکھنا بھی داخل ہوگیا) اور جو شخص اللہ کی ذات

وصفات) کا انکار کرے اور (اسی طرح جو) اس کے فرشتوں کا (انکار کرے) اور (اسی طرح جو) اس کی کتابوں کا (جن میں قرآن بھی آگیا انکار کرے) اور (اسی طرح جو) اس کے رسولوں کا (جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں انکار کرے) اور (اسی طرح جو) روز قیامت کا (انکار کرے) تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور جا پڑا، بلاشبہ جو لوگ (پہلے تو) مسلمان ہوئے پھر کافر ہوگئے پھر مسلمان ہوئے (اور اس بار بھی اسلام پر قائم نہ رہے ورنہ پہلا ارتداد معاف ہوجاتا بلکہ) پھر کافر ہوگئے، پھر (مسلمان ہی نہ ہوئے ورنہ پھر بھی ایمان مقبول ہوجاتا بلکہ) کفر میں بڑھتے چلے گئے (یعنی کفر پر دم مرگ تک ثابت اور دائم رہے) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہرگز نہ بخشیں گے اور نہ اُن کو (منزلِ مقصود یعنی بہشت کا) راستہ دکھائیں گے، (کیونکہ مغفرت اور جنت کے لئے موت تک مؤمن رہنا شرط ہے)

معارف ومسائل

فوائدِ مہمہ (قولہ تعالیٰ) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا الخ اس سے مراد منافقین ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کی شان میں ہے کہ اول ایمان لائے پھر گوسالہ کی عبادت کرکے کافر ہوگئے، پھر توبہ کرکے مؤمن ہوئے، پھر عیسیٰ علیہ السلام سے منکر ہوکر کافر ہوئے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرکے کفر میں ترقی کرگئے (روح المعانی)

(قولہ تعالیٰ) لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا، مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ ان کے بار بار کفر کی طرف لوٹنے سے ان کی توفیقِ حق ہی سلب ہوجائیگی اور آئندہ توبہ کرنے اور ایمان لانے کا موقع ہی نصیب نہ ہوگا، ورنہ جو قاعدہ قرآن وسنت کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ کیسا ہی کافر یا مرتد ہو اگر سچی توبہ کرلے تو پچھلا گناہ معاف ہوجاتا ہے، یہ لوگ بھی توبہ کرلیں تو معافی کا قانون کھلا ہوا ہے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِـيْمَۨا ۝۱۳۸ۙ الَّذِيْنَ
خوش خبری سنادے منافقوں کو کہ ان کے واسطے ہے عذاب دردناک ، وہ جو
يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ
بناتے ہیں کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر
اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝۱۳۹ۭ
کیا ڈھونڈتے ہیں ان کے پاس عزت سو عزت تو اللہ ہی کے واسطے ہے ساری ،

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ

اور حکم اتار چکا تم پر قرآن میں کہ جب سنو اللہ کی آیتوں پر

يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا

انکار ہوتے اور ہنسی ہوتے تو نہ بیٹھو اُن کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں

فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ

کسی دوسری بات میں نہیں تو تم بھی انہی جیسے ہو گئے اللہ اکٹھا کرے گا

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ

منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ وہ منافق جو

يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ

تمہاری تاک میں ہیں پھر اگر تم کو فتح ملے اللہ کی طرف سے تو کہیں کیا ہم نہ تھے

نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ

تمہارے ساتھ اور اگر نصیب ہو کافروں کو تو کہیں کیا ہم نے

نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ

گھیر لیا تھا تم کو اور بچا دیا تم کو مسلمانوں سے ، سو اللہ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ

فیصلہ کرے گا تم میں قیامت کے دن اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو ع ۲۰ / ۱۷

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾

مسلمانوں پر غلبہ ۔

خلاصۂ تفسیر

منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے اس امر کی کہ ان کے واسطے (آخرت میں) بڑی دردناک سزا تجویز کی گئی، (جن کی یہ حالت ہے کہ (عقائد تو اہل ایمان کے نہ رکھتے تھے مگر وضع بھی اہل ایمان کی نہ رکھ سکے چنانچہ) کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ان کے پاس (جا کر) عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں سو (خوب سمجھ لو کہ) عزت تو ساری خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے (وہ جس کو

چاہیں دیں، پس اگر خدا تعالیٰ ان کو یا جن سے جا جا کر دوستی کرتے ہیں ان کو عزت نہ دیں تو کہاں سے معزز بن جاویں گے) اور (اے مسلمانو! دیکھو تم منافقین کی طرح کفار کے ساتھ خصوصیت مت رکھنا خاص کر جس وقت وہ کفریات کا تذکرہ کرتے ہوں، چنانچہ اس سورۃ مدنیہ کے قبل بھی) اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان (سورۂ انعام (آیت ۶۸) میں جو مکیہ ہے) بھیج چکا ہے (جس کا حاصل یہ ہے کہ جب (کسی مجمع میں) احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کریں (اور یہ مضمون اس آیت کا حاصل ہے وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ الخ سو یہ استہزاء کرنے والے مکہ میں مشرکین تھے، اور مدینہ میں یہود تو علانیہ اور منافقین صرف غرباء (ضعفاء) مسلمین کے روبرو، پس جس طرح وہاں مشرکین کی مجالست ایسے وقت میں ممنوع تھی یہاں یہود اور منافقین کی مجالست سے نہی ہے اور یہ ممانعت ہم اس لئے کرتے ہیں) کہ اس حالت میں تم بھی (گناہ میں) انہی جیسے ہو جاؤ گے (گو دونوں کی نوعیت میں فرق ہو کہ ایک گناہ کفر کا ہے دوسرا فسق کا، اور اس ممانعتِ مجالست میں کفار اور منافقین سب برابر ہیں، کیونکہ علت اس کی خوض فی الکفر یعنی کفر کی باتوں کا تذکرہ اور اس خوض کا منشاء کفر ہے، اور اس میں دونوں برابر ہیں، چنانچہ سزائے کفر یعنی دوزخ کا ایندھن ہونے میں بھی دونوں برابر ہوں گے، کیونکہ) یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع کر دیں گے (اور) وہ (منافقین) ایسے ہیں کہ تم پر افتاد پڑنے کے منتظر (اور آرزو مند) رہتے ہیں پھر (ان کے اس انتظار کے بعد) اگر تمہاری فتح منجانب اللہ ہو گئی تو (تم سے آکر) باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ (جہاد میں شریک) نہ تھے (کیونکہ نام و نمود کو تو مسلمانوں میں گھسے ہی رہتے تھے، مطلب یہ کہ ہم کو بھی غنیمت کا حصہ دو) اور اگر کافروں کو (غلبہ کا) کچھ حصہ مل گیا (یعنی وہ اتفاق سے غالب آ گئے) تو (ان سے جا کر) باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے (مگر ہم نے قصداً تمہارے غالب کرنے کے لئے مسلمانوں کی مدد نہ کی اور ایسی تدبیر کی کہ لڑائی بگڑ گئی) اور کیا ہم نے (جب تم مغلوب ہونے لگے تھے) تم کو مسلمانوں سے بچا نہیں لیا (اس طرح کہ ان کی مدد نہ کی، اور تدبیر سے لڑائی بگاڑ دی، مطلب یہ کہ ہمارا احسان مانو اور جو کچھ تمہارے ہاتھ آیا ہے ہم کو بھی کچھ حصہ دلواؤ، غرض دونوں طرف سے ہاتھ مارتے ہیں) سو (دنیا میں گو اظہار اسلام کی برکت سے مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن) اللہ تعالیٰ تمہارا اور ان کا قیامت میں (عملی) فیصلہ فرما دیں گے اور (اس فیصلہ میں) ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرمائیں گے (بلکہ کفار مجرم قرار پا کر دوزخ میں جاویں گے، اور

مسلمان اہل حق ثابت ہو کر جنت میں جائیں گے، اور فیصلہ عملی یہی ہے)

معارف ومسائل

پہلی آیت میں منافقین کے لئے دردناک عذاب کی خبر دی گئی ہے، اور اس رنج دہ خبر کو لفظ بشارت سے تعبیر کرکے اس طرف اشارہ فرما دیا گیا کہ ہر انسان اپنے مستقبل کے لئے خوشخبری سننے کا منتظر رہا کرتا ہے، مگر منافقین کے لئے اس کے سوا کوئی خبر نہیں، ان کے لئے بشارت کے عوض میں یہی خبر ہے۔

عزت اللہ ہی سے طلب کرنی چاہیئے

دوسری آیت میں کفار ومشرکین کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے اور گھل مل کر رہنے کی ممانعت اور ایسا کرنے والوں کے لئے وعید مذکور ہے، اور اس کے ساتھ ہی اس مرض میں مبتلا ہونے کی اصل منشاء اور سبب کو بیان کرکے اس کا لغو اور بیہودہ ہونا بھی بتلا دیا ہے، ارشاد فرمایا أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا، یعنی کفار مشرکین کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے اور ان کے ساتھ ملنے کی غرض عموماً یہ ہوتی ہے کہ ان کی ظاہری عزت وقوت اور جتھے سے متأثر ہو کر یوں خیال کیا جاتا ہے کہ ان سے دوستی رکھی جائے، تو ہمیں بھی ان سے عزت وقوت حاصل ہو جائے گی، حق تعالیٰ نے اس لغو خیال کی حقیقت اس طرح واضح فرمائی کہ تم ان کے ذریعہ عزت حاصل کرنا چاہتے ہو جن کے پاس خود عزت نہیں، عزت جس کے معنی ہیں قوت وغلبہ کے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، اور مخلوق میں سے جس کسی کو کبھی کوئی قوت وغلبہ ملتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، تو کس قدر بے عقلی ہوگی کہ عزت حاصل کرنے کے لئے اصل عزت کے مالک اور عزت دینے والے کو تو ناراض کیا جائے، اور اس کے دشمنوں کے ذریعہ عزت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

قرآن مجید کی سورۃ منافقون میں بھی یہی مضمون ایک اضافہ کے ساتھ اس طرح آیا ہے:

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۞	"یعنی عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے لئے، لیکن منافقین اس کو نہیں جانتے"

اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول اور مؤمنین کا اضافہ کرکے یہ بھی بتلا دیا کہ اصل

عزت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ جس کو چاہتا ہے کچھ حصہ عزت عطا فرما دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے رسول اور ان پر ایمان لانے والے چونکہ اس کے نزدیک محبوب اور مقبول ہیں، اس لئے ان کو عزت وغلبہ دیا جاتا ہے، کفار ومشرکین کو خود ہی عزت نصیب نہیں، ان کے تعلق سے کسی دوسرے کو کیا عزت مل سکتی ہے، اس لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا

مَنِ اعْتَزَّ بِالْعَبِيدِ أَذَلَّهُ اللَّهُ (جصاصؒ)	"یعنی جو شخص لوگوں اور بندوں کے ذریعہ عزت حاصل کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دیتے ہیں"

مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ملک شام کے عامل (گورنر) سے فرمایا: كُنْتُمْ أَقَلَّ النَّاسِ وَأَذَلَّ النَّاسِ فَأَعَزَّكُمُ اللَّهُ بِالْإِسْلَامِ مَهْمَا تَطْلُبُوا الْعِزَّةَ بِغَيْرِهِ يُذِلَّكُمُ اللَّهُ (مستدرک ج ۴) "یعنی (اے ابو عبیدہ) تم تعداد میں سب سے کم اور سب سے زیادہ کمزور تھے، تم کو صرف اسلام کی وجہ سے عزت وشوکت ملی ہے، تو خوب سمجھ لو اگر تم اسلام کے سوا کسی دوسرے ذریعہ سے عزت حاصل کرنا چاہو گے تو خدا تعالیٰ تم کو ذلیل کر دے گا"

ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ مراد آیت مذکورہ سے یہ ہے کہ کفار وفجار سے دوستی کرکے عزت طلب نہ کرو، ہاں مسلمانوں کے ذریعہ عزت وقوت طلب کی جائے تو اس کی ممانعت نہیں، کیونکہ سورۃ منافقون کی آیت نے اس کو واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مؤمنین کو عزت بخشی ہے (جصاص، ص ۳۵۲، ج ۲)

یہاں عزت سے مراد اگر ہمیشہ قائم اور باقی رہنے والی آخرت کی عزت ہے تب تو دنیا میں اس کا مخصوص ہونا اللہ تعالیٰ کے رسول اور مؤمنین کے ساتھ واضح ہے، کیونکہ آخرت کی عزت کسی کافر ومشرک کو قطعاً حاصل نہیں ہو سکتی، اور اگر مراد دنیا کی عزت لی جائے تو عبوری دور اور اتفاقی حوادث کو چھوڑ کر انجام کے اعتبار سے یہ عزت وغلبہ بالآخر اسلام اور مسلمانوں ہی کا حق ہے، جب تک مسلمان صحیح معنی میں مسلمان رہے، دنیا نے اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا، اور پھر آخر زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امامت وقیادت میں مسلمان صحیح اسلام پر قائم ہو جائیں گے تو پھر غلبہ انہی کا ہوگا، درمیانی اور عبوری دور میں مسلمانوں کے ضعف ایمان اور ابتلاء معاصی کی وجہ سے ان کا کمزور نظر آنا اس کے منافی نہیں۔

آیت وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ الخ میں قرآن مجید کی ایک اور آیت کا جو سورۃ انعام میں قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھی حوالہ دے کر یہ بتلایا گیا ہے کہ ہم نے تو اصلاح

انسان کے لئے پہلے ہی یہ حکم بھیجدیا تھا کہ کفار و فجار کی مجلس میں بھی مت بیٹھئے، اور تعجب ہے کہ یہ غافل لوگ اس سے بھی آگے بڑھ گئے، کہ ان سے دوستی کرنے لگے، اور ان کو عزت و قوت کا مالک سمجھنے لگے۔

سورۂ نساء کی متذکرہ آیت اور سورۂ انعام کی وہ آیت جس کا حوالہ سورۂ نساء میں دیا گیا ہے دونوں کا مفہوم مشترک یہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار یا اُن پر استہزاء کر رہے ہوں تو جب تک وہ اس بیہودہ شغل میں لگے رہیں، ان کی مجلس میں بیٹھنا اور شرکت کرنا بھی حرام ہے، پھر سورۂ انعام کی آیت کے الفاظ میں کچھ تعمیم اور مزید تفصیل ہے، کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

"یعنی جب تم دیکھو ان لوگوں کو جو جھگڑتے ہیں ہماری آیتوں میں تو ان سے کنارہ کر دیہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی اور بات میں، اور اگر بھلا دے تم کو شیطان تو مت بیٹھو یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ۔"

اس میں آیاتِ الٰہیہ میں جھگڑا کرنا مذکور ہے جس میں کفر و استہزاء بھی داخل ہے، اور آیت کی تحریف معنوی یعنی آیاتِ قرآنی کے ایسے معانی نکالنا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی تفسیر کے خلاف یا اجماعِ امّت کے خلاف ہوں یہ بھی اسی میں داخل ہیں، اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بروایت ضحاک منقول ہے کہ اس آیت کے مفہوم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو قرآن کی تفسیر غلط یا اس میں تحریف کرنے والے یا بدعات نکالنے والے ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں: دخل فی ھٰذہ الآیۃ کل محدث فی الدین وکل مبتدع الیٰ یوم القیٰمۃ (مظہری، ص ۲۶۳ ج ۲)

تفسیر بالرّائے کرنیوالے کی مجلس میں شرکت جائز نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص قرآن کریم کے درس یا تفسیر میں تفسیر سلفِ صالحین کا پابند نہیں، بلکہ ان کے خلاف معانی بیان کرتا ہے اس کے درس و تفسیر میں شرکت بنصِ قرآن ناجائز اور بجائے ثواب کے گناہ ہے، تفسیر بحر محیط میں ابو حیانؒ نے فرمایا کہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ جس بات کا زبان سے کہنا گناہ ہو اس کا کانوں سے باختیار خود سننا بھی گناہ ہے۔

اور اس پر یہ شعر نقل کیا ہے ؎

وَسَمْعَكَ صُنْ عَنْ سِمَاعِ الْقَبِيْحِ
كَصَوْنِ اللِّسَانِ عَنِ النُّطْقِ بِهٖ

"یعنی اپنے کانوں کو بُری بات سننے سے بچاؤ جس طرح زبان کو بُری بات کہنے سے بچاتے ہو۔"

دوسری بات سورۂ انعام کی آیت میں یہ زیادہ ہے کہ اگر کسی وقت بھولے یا بے خبری سے کوئی آدمی ایسی مجلس میں شریک ہوگیا، پھر خیال آیا تو اسی وقت اس مجلس سے علیٰحدہ ہوجانا چاہئے، خیال ہوجانے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھے۔

سورۂ نساء اور سورۂ انعام کی دونوں آیتوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جب تک وہ لوگ اس بیہودہ گفتگو میں مشغول رہیں، اس وقت تک ان کی مجلس میں بیٹھنا حرام ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب وہ اس گفتگو کو ختم کرکے کوئی اور بات شروع کردیں تو اس وقت ان کے ساتھ مجالست اور شرکت جائز ہے یا نہیں؟ قرآن کریم نے اس کو صراحت سے بیان نہیں فرمایا، اسی لئے علماء کا اس میں اختلاف ہے، بعض نے فرمایا کہ ممانعت کی علت آیاتِ الٰہیہ کی توہین اور تحریف تھی، جب وہ ختم ہوگئی تو ممانعت بھی ختم ہوگئی، اسی لئے دوسری باتیں شروع ہوجانے کے بعد ان کی مجلس میں بیٹھنا گناہ نہیں، اور بعض نے فرمایا کہ ایسے کفار و فجار اور ظالم لوگوں کی صحبت و مجالست بعد میں بھی درست نہیں، حضرت حسن بصریؒ کا یہی ارشاد ہے، انھوں نے سورۂ انعام کے اس جملہ سے استدلال فرمایا ہے: فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ، یعنی یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھیں، اور ظاہر ہے کہ ظالم اس گفتگو کو ختم کردینے کے بعد بھی ظالم ہی ہے اس لئے اس کی صحبت و مجالست سے بعد میں بھی احتراز لازم ہے (جصاص)

اور تفسیر مظہری میں قاضی صاحب رحمہ اللہ نے دونوں میں تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ جب کفر و استہزاء اور تحریفِ قرآن کی گفتگو بند ہو کر کوئی دوسری بات شروع ہوجائے تو اس وقت بھی ایسے لوگوں کی مجلس میں شرکت بلا ضرورت تو حرام ہے، اور اگر کوئی ضرورت شرعی یا طبعی داعی ہو تو جائز ہے۔

بُروں کی صحبت سے تنہائی بھلی

امام ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ جس مجلس میں کوئی گناہ ہو رہا ہو تو مسلمان پر نہی عن المنکر کے ضابطہ سے یہ لازم ہے کہ اگر اس کو روکنے کی قدرت ہو تو قوت کے ساتھ روک دے، اور یہ قدرت نہیں ہے تو کم از کم اس گناہ سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس

مجلس سے اُٹھ جاتے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک مرتبہ چند لوگوں کو اس جرم میں گرفتار کیا کہ وہ شراب پی رہے تھے، ان میں سے ایک شخص کے بارے میں ثابت ہوا کہ وہ روزہ رکھے ہوئے ہے، اس نے شراب نہیں پی، لیکن ان کی مجلس میں شریک تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو بھی سزا دی کہ وہ ان کی مجلس میں بیٹھا ہوا کیوں تھا۔ (بحر محیط، صفحہ ۳۷۵ جلد ۳)

تفسیر ابن کثیر میں اس جگہ یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَجْلِسُ عَلٰى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهَا الْخَمْرُ
(ابن کثیر، صفحہ ۵۶۷ ج ۱)

"یعنی جو شخص اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ ایسے دسترخوان یا کھانے کی میز پر بھی نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چلتا ہو۔"

مذکورہ بحث میں مجلس سے اُٹھ جانے کے متعلق جو کہا گیا ہے اس کے لئے یہ شرط ہے کہ شرعی حیثیت سے اس مجلس کے چھوڑ دینے میں کوئی گناہ لازم نہ آتا ہو، مثلاً مسجد میں جماعت کی شرکت ضروری امر ہے، اگر وہاں کوئی خلافِ شرع کام ہونے لگے تو جماعت اس کی وجہ سے ترک نہ کرے بلکہ صرف قلبی ناراضگی پر اکتفاء کرے، اسی طرح کوئی اور ضروری مجلس جس کی ضرورت شریعت سے ثابت ہے، اگر وہاں کچھ لوگ کوئی خلاف شرع کام کرنے لگیں تو دوسروں کے گناہ کی وجہ سے اس مجلس کو چھوڑ کر خود گناہ کا ارتکاب کرنا معقول اور درست نہیں، اسی لئے حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اگر ہم، لوگوں کے گناہ کی وجہ سے اپنے ضروری کام ترک کر دیا کریں، تو ہم فساق و فجار کے لئے سنت و شریعت کے مٹانے کا راستہ ہموار کر دیں گے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اہلِ باطل کے ساتھ مجالست کی چند صورتیں ہیں:
اوّل ان کے کفریات پر رضا کے ساتھ، یہ کفر ہے، دوئم اظہار کفریات کے وقت کراہیت کے ساتھ بلا عذر یہ فسق ہے، سوئم کسی ضرورتِ دنیوی کے واسطے مباح ہے، چہارم تبلیغ احکام کے لئے عبادت ہے، پنجم اضطرار اور بے اختیاری کے ساتھ، اس میں معذور ہے۔

کفر پر راضی ہونا کفر ہے

آخر آیت میں ارشاد فرمایا: اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ، یعنی اگر تم ایسی مجلس میں بطیبِ خاطر شریک رہے جس میں آیاتِ الٰہیہ کا انکار یا استہزاء، یا تحریف ہو رہی ہو

تو تم بھی اُن کے گناہ کے شریک ہو کر انہی جیسے ہو گئے، مراد یہ ہے کہ خدانخواستہ تمہارے جذبات و خیالات بھی ایسے ہیں کہ تم ان کے کفریات کو پسند کرتے اور اس پر راضی ہوتے، تو حقیقۃً تم بھی کافر ہو، کیونکہ کفر کو پسند کرنا بھی کفر ہے، اور اگر یہ بات نہیں تو ان کی مثل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور دین کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں تم اپنی اس شرکت کے ذریعہ ان کی امداد کر کے معاذ اللہ ان کی مثل ہو گئے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا
البتہ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا اور جب کھڑے ہوں

اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ
نماز کو تو کھڑے ہوں ہارے جی سے لوگوں کے دکھانے کو اور یاد نہ کریں اللہ کو

اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ
مگر تھوڑا سا، اُدھر میں لٹکتے ہیں دونوں کے بیچ، نہ اُن کی طرف

وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾
اور نہ ان کی طرف اور جس کو گمراہ کرے اللہ تو ہرگز نہ پاوے گا تو اس کے واسطے کہیں راہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ
اے ایمان والو نہ بناؤ کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو

دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ
چھوڑ کر کیا لیا چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا

سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾
الزام صریح

خلاصۂ تفسیر

بیشک منافق لوگ (اظہار ایمان میں) چالبازی کرتے ہیں اللہ سے (گو ان کی چال اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور گو ان کا اعتقاد اللہ کے ساتھ چالبازی کرنے کا نہ ہو مگر ان کی یہ کارروائی مشابہ اسی کے ہے کہ جیسا یہی اعتقاد ہو) حالانکہ اللہ تعالیٰ اس چال کی سزا

ان کو دینے والے ہیں، اور چونکہ دل میں ایمان تو ہے نہیں، اور اس لئے نماز کو فرض نہ سمجھیں نہ اس میں ثواب کا اعتقاد رکھیں، اس لئے) جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہل کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، (کیونکہ نشاط اعتقاد اور امید سے پیدا ہوتا ہے) صرف آدمیوں کو (اپنا نمازی ہونا) دکھلاتے ہیں (تاکہ مسلمان سمجھیں) اور (چونکہ محض نماز کا نام ہی کرنا ہے اس لئے اس نماز میں) اللہ تعالیٰ کا ذکر (زبانی بھی) نہیں کرتے مگر بہت ہی مختصر (یعنی محض صورت نماز کی بنا لیتے ہیں جس میں نماز کا نام ہو جاوے، اور عجب نہیں کہ اٹھنا بیٹھنا ہی ہوتا ہو، کیونکہ جہر کی ضرورت تو بعض نمازوں میں امام کو ہوتی ہے، امامت تو ان کو کہاں نصیب ہوتی مقتدی ہونے کی حالت میں اگر کوئی بالکل نہ پڑھے فقط لب ہلاتا رہے تو کسی کو کیا خبر ہو تو ایسے بد اعتقاد سے کیا بعید ہے کہ زبان بھی نہ ہلتی ہو) معلق ہو رہے ہیں دونوں کے (یعنی کفار و مؤمنین کے) درمیان میں نہ (پورے) اِدھر نہ (پورے) اُدھر (کیونکہ ظاہر میں مؤمن تو کفار سے الگ اور باطن میں کافر تو مؤمنین سے الگ) اور جس کو خدا تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں (جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ عزم فعل کے وقت اس فعل کو پیدا کر دیتے ہیں) ایسے شخص کے (مؤمن ہونے کے) لئے کوئی سبیل (یعنی راہ) نہ پاؤ گے (مطلب یہ کہ ان منافقین کے راہ پر آنے کی امید مت رکھو، اس میں منافقین کی تشنیع ہے اور مؤمنین کی تسلّی کہ ان کی شرارتوں سے رنج نہ کریں) اے ایمان والو تم مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو (خواہ منافق ہوں خواہ مجاہر ہوں) دوست مت بناؤ (جیسا منافقین کا شیوہ ہے، کیونکہ تم کو ان کی حالت کفر و عداوت کی معلوم ہو چکی) کیا تم (ان سے دوستی کر کے) یوں چاہتے ہو کہ اپنے اوپر (یعنی اپنے مجرم و مستحق عذاب ہونے پر) اللہ تعالیٰ کی حجت صریح قائم کر لو (حجت صریحہ یہی ہے کہ ہم نے جب منع کر دیا تھا پھر کیوں کیا)

معارف و مسائل

مسئلہ: (قولہ تعالیٰ، قَامُوْا كُسَالٰى) جس کسل کی یہاں مذمت ہے وہ اعتقادی کسل ہے، اور جو باوجود اعتقاد صحیح کے کسل ہو وہ اس سے خارج ہے، پھر اگر کسی عذر سے ہو جیسے مرض وتعب وغلبۂ نوم تو قابل ملامت بھی نہیں، اور اگر بلا عذر ہو تو قابل ملامت ہے۔

(بیان القرآن)

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ

بیشک منافق ہیں سب سے نیچے درجے میں دوزخ کے اور ہرگز

تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا

نہ پائے گا تو ان کے پاس کوئی مددگار مگر جنھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور مضبوط پکڑا

بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ

اللہ کو اور خالص فرمانبردار ہوئے اللہ کے سو وہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ،

وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ

اور جلد دے گا اللہ ایمان والوں کو بڑا ثواب، کیا کرے گا

اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا

اللہ تم کو عذاب کر کے اگر تم حق کو مانو اور یقین رکھو اور اللہ قدردان ہے

عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

سب کچھ جاننے والا

خلاصۂ تفسیر

بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے اور (اے مخاطب) تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا (جو ان کو اس سزا سے بچا سکے) لیکن (ان میں سے) جو لوگ (نفاق سے) توبہ کر لیں اور (مسلمانوں کے ساتھ جو ان کے ایذا رساں معاملات تھے ان کی) اصلاح کر لیں (یعنی پھر ایسی باتیں نہ کریں) اور (کفار سے جو بغرض ان کی پناہ میں رہنے کے دوستی کرتے ہیں اس کو چھوڑ کر) اللہ تعالیٰ پر وثوق (اور توکل) رکھیں اور (ریاء کو چھوڑ کر) اپنے دین (کے اعمال) کو خالص اللہ ہی (کی رضا) کے لئے کیا کریں (غرض اپنے عقائد کی، معاملات کی، اخلاق باطنی کی، اعمال کی، سب کی درستی کر لیں) تو یہ (تائب) لوگ (ان) مؤمنین کے ساتھ (درجات جنت میں) ہوں گے، (جو کہ پہلے سے کامل ایمان رکھتے ہیں) اور (ان) مؤمنین کو اللہ تعالیٰ (آخرت میں) اجر عظیم عطا فرمائیں گے (پس جب یہ مؤمنین کے ساتھ ہوں گے تو ان کو بھی اجر عظیم ملے گا، اور اے منافقو) اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں گے اگر تم (ان کی نعمتوں کی جو تم پر ہیں) سپاس گذاری کرو اور (اس سپاس گذاری کا طریقہ ہمارا پسندیدہ یہ ہے کہ تم) ایمان لے آؤ (یعنی خدا تعالیٰ کا کوئی کام اٹکا نہیں پڑا جو تم کو سزا دینے سے چل جاتا صرف تمہارا کفر جو اشد درجہ کا کفرانِ نعمت ہے سبب ہے تمہاری سزا کا اگر اس کو چھوڑ دو

تو پھر رحمت ہی رحمت ہے) اور اللہ تعالیٰ (تو خدمت کی) بڑی قدر کرنے والے (اور خدمتگزاری کے خلوص وغیرہ کو) خوب جاننے والے ہیں (پس جو شخص اطاعت و اخلاص سے لے ہے اس کو بہت کچھ دیتے ہیں)

معارف و مسائل

(قولہ تعالیٰ) اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ، اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی عمل مقبول ہے جو ریا سے پاک ہو، اور محض اسی کی ذات کے لئے ہو، کیونکہ مخلص کے معنی فقہاء نے یہ بیان کئے ہیں؛

اَلَّذِيْ يَعْمَلُ لِلّٰهِ لَا يُحِبُّ اَنْ يَّحْمَدَهُ النَّاسُ عَلَيْهِ (بحوالہ مظہری)

"یعنی مخلص وہ آدمی ہے جو عمل محض اللہ ہی کے لئے کرے، اور اس بات کو وہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ اسکے عمل کی تعریف کریں"

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْۗءِ مِنَ الْقَوْلِ
اللہ کو پسند نہیں کسی بری بات کا ظاہر کرنا،
اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِـيْمًا (۱۴۸) اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا
مگر جس پر ظلم ہوا ہو، اور اللہ ہے سننے والا جاننے والا، اگر تم کھول کر کرو کوئی بھلائی
اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْۗءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا (۱۴۹)
یا اس کو چھپاؤ یا معاف کرو برائی کو تو اللہ بھی معاف کرنیوالا بڑی قدرت والا ہے
اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ
جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ
يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ
فرق نکالیں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور
نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ
نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اس کے بیچ میں ایک
سَبِيْلًا (۱۵۰) اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا
راہ، ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (۱۵۱) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر
وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰۗىِٕكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ
اور جدا نہ کیا ان میں سے کسی کو ان کو جلد دے گا ان کے
۲۱ ع ۱۱ ۱ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۱۵۲) ع
ثواب اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

خلاصۂ تفسیر

اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو (کسی کے لئے) پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے (کہ اپنے ظالم کی نسبت کچھ حکایت شکایت کرنے لگے تو وہ گناہ نہیں) اور اللہ تعالیٰ (مظلوم

کی بات، خوب سنتے ہیں (اور ظالم کے ظلم کی حالت) خوب جانتے ہیں (اس میں اشارہ ہو کہ مظلوم کو بھی خلافِ واقعہ کہنے کی اجازت نہیں، اور ہر چند کہ ایسی شکایت جائز تو ہے لیکن) اگر نیک کام علانیہ کرو یا اس کو خفیہ کرو (جس میں معاف کرنا بھی آگیا) یا (بالخصوص) کسی (کی) برائی کو معاف کردو تو زیادہ افضل ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ (بھی) بڑے معاف کرنے والے ہیں، (باوجودیکہ) پوری قدرت والے ہیں (کہ اپنے مجرموں سے ہر طرح انتقام لے سکتے ہیں، مگر پھر بھی اکثر معاف ہی کردیتے ہیں، پس اگر تم ایسا کرو تو اول تو تعلق باخلاقِ الٰہیہ یعنی اللہ تعالیٰ کے اخلاق کا اتباع ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کرنے کی امید ہوگی) جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ (جیسا ان کے عقیدہ اور قول سے جو آگے آتا ہے صاف طور پر لازم آتا ہے) اور (کفر کرتے ہیں) اس کے رسولوںؑ کے ساتھ (یعنی بعض کے ساتھ تو صراحۃً، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے، اور کل کے ساتھ لزوماً جیسا آگے آتا ہے) اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور اس کے رسولوںؑ کے درمیان میں (باعتبار ایمان لانے کے) فرق رکھیں اور (اپنے اس عقیدہ کو زبان سے بھی) کہتے ہیں کہ ہم (پیغمبروں میں سے) بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں (اس قول اور اس عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی کفر لازم آگیا، اور سب رسولوںؑ کے ساتھ بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور ہر رسول نے سب رسولوں کو رسول کہا ہے، جب بعض کا انکار ہوا تو اللہ تعالیٰ کی اور بقیہ رسولوںؑ کی تکذیب ہوگئی، جو کہ ضد ہے تصدیق اور ایمان کی) اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں (کہ نہ سب پر ایمان ہے جیسے مسلمان سب پر ایمان رکھتے ہیں، اور نہ سب کا انکار ہے جیسا کہ مشرکین کرتے تھے سو) ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں (کیونکہ کفر بالبعض بھی کفر ہے، اور ایمان اور کفر کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، جب ایمان بالجمیع نہ ہوا تو کفر ہی ہوا) اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے، (وہی ان کے لئے بھی ہوگی) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب رسولوںؑ پر بھی اور ان میں سے کسی میں (ایمان لانے کے اعتبار سے) فرق نہیں کرتے، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ان کا ثواب دیں گے اور (چونکہ) اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں (اس لئے ایمان لانے سے پہلے جتنے گناہ ہوچکے ہیں سب بخشدیں گے اور چونکہ وہ) بڑے رحمت والے ہیں (اس لئے ایمان کی برکت سے ان کے حسنات کو مضاعف کرکے خوب ثواب دیں گے)

۳۸

معارف ومسائل

ان آیات میں سے پہلی آیت اور دوسری آیت دنیا سے ظلم وجور کے مٹانے کا ایک قانون ہے، مگر عام دنیا کے قوانین کی طرح نہیں جس کی حیثیت صرف آمرانہ ہوتی ہے، بلکہ ترغیب و ترہیب کے انداز کا ایک قانون ہے جس میں ایک طرف تو اس کی اجازت دیدی گئی ہے کہ جس شخص پر کوئی ظلم کرے تو مظلوم اس کے ظلم کی شکایت، یا کسی عدالت میں چارہ جوئی کرسکتا ہے، جو عین عدل و انصاف کا تقاضا اور انسدادِ جرائم کا ایک ذریعہ ہے، لیکن اس کے ساتھ ایک قید بھی سورۂ نحل کی آیت میں مذکور ہے، وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ (آیت ۱۲۶) یعنی اگر کوئی شخص تم پر ظلم کرے تو تم بھی اس سے ظلم کا بدلہ لے سکتے ہو، مگر شرط یہ ہے کہ جتنا ظلم و تعدی اس نے کیا ہے بدلہ میں اس سے زیادتی نہ ہونے پائے، ورنہ تم ظالم ہوجاؤ گے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ظلم کے جواب میں ظلم کی اجازت نہیں بلکہ ظلم کا بدلہ انصاف سے ہی لیا جاسکتا ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی ہدایت ہے کہ بدلہ لینا اگرچہ جائز ہے مگر صبر کرنا اور معاف کردینا بہتر ہے۔

اور آیتِ مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس پر کسی نے ظلم کیا ہو اگر وہ ظلم کی شکایت، حکایت لوگوں سے کرے تو یہ غیبت حرام میں داخل نہیں، کیونکہ اس نے خود اس کو شکایت کرنے کا موقع دیا ہے، غرض قرآن حکیم نے ایک طرف تو مظلوم کو ظلم کا مساوی بدلہ لینے کی اجازت دیدی، اور دوسری طرف اعلیٰ اخلاق کی تعلیم، عفو و درگذر اور اس کے بالمقابل آخرت کا عظیم فائدہ پیشِ نظر کرکے مظلوم کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے اس جائز حق میں ایثار سے کام لے ظلم کا انتقام نہ لے، ارشاد فرمایا:

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۔ یعنی اگر تم کوئی نیکی ظاہر کرکے کرو یا خفیہ طور پر کرو، یا کسی کے ظلم اور برائی کو معاف کردو تو یہ بہتر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والے اور بڑی قدرت والے ہیں۔

اس آیت میں اصل مقصد تو ظلم کے معاف کرنے سے متعلق ہے، مگر اس کے ساتھ علانیہ اور خفیہ نیکی کا بھی ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کردیا کہ یہ عفو و درگذر ایک بڑی نیکی ہے جو اس کو اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ کے عفو و رحمت کا مستحق ہوجائے گا۔

آخر آیت میں فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا فرما کر یہ بتلادیا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ

قادرِ مطلق ہیں جسکو جو چاہیں سزا دے سکتے ہیں، اس کے باوجود بہت معاف کرنے والے ہیں، تو انسان جسکو قدرت و اختیار بھی کچھ نہیں وہ اگر انتقام لینا بھی چاہے تو بہت ممکن ہے کہ اس پر قدرت ہی نہ ہو اس لئے اس کو تو عفو و درگذر اور بھی زیادہ مناسب ہے۔

یہ ہے رفعِ ظلم اور اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی اصول اور مربیانہ انداز کہ ایک طرف برابر کے انتقام کا حق دے کر عدل و انصاف کا بہترین قانون بنا دیا، دوسری طرف مظلوم کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دے کر عفو و درگذر پر آمادہ کیا، جس کا لازمی نتیجہ وہ ہے جس کو قرآن کریم نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:

فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (۴۱: ۳۴) یعنی جس شخص کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی اس طرزِ عمل سے وہ تمہارا مخلص دوست بن جائے گا"

عدالتی فیصلہ اور ظلم کا انتقام لے لینے سے ظلم کی روک تھام ضرور ہو جاتی ہے، لیکن فریقین کے دلوں میں وہ ایک دیرپا اثر چھوڑ جاتے ہیں جو آئندہ پھر باہمی جھگڑوں کا ذریعہ بن سکتے ہیں ـــــــ اور یہ اخلاقی درس جو قرآن کریم نے دیا اس کے نتیجہ میں گہری اور پرانی عداوتیں دوستیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

تیسری اور چوتھی اور پانچویں آیات میں قرآن حکیم نے یہ کھلا ہوا فیصلہ دیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو مانے مگر اس کے رسولوں پر ایمان نہ لائے، یا بعض رسولوںؑ کو مانے اور بعض کو نہ مانے وہ اللہ کے نزدیک مؤمن نہیں، بلکہ کھلا کافر ہے جس کی نجاتِ آخرت کی کوئی راہ نہیں۔

اسلام مدارِ نجات ہے، کسی مخالف مذہب میں نجات نہیں ہو سکتی

قرآن حکیم کے اس واضح فیصلہ نے ان لوگوں کی بے راہی اور کج روی کو پوری طرح کھول دیا ہے، جو دوسرے اہلِ مذاہب کے ساتھ رواداری میں مذہب اور مذہبی عقائد کو بطور تحفہ اور ہبہ کے پیش کرنا چاہتے ہیں اور قرآن و سنت کے کھلے ہوئے فیصلوں کے خلاف دوسرے مذہب والوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک نجات صرف اسلام میں منحصر نہیں، یہودی اپنے مذہب پر اور عیسائی اپنے مذہب پر رہتے ہوئے بھی نجات پاسکتا ہے، حالانکہ یہ لوگ سب رسولوںؑ کے یا کم از کم بعض رسولوںؑ کے منکر ہیں، جن کے کافر جہنمی ہونے کا اس آیت نے اعلان کر دیا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ عدل و انصاف اور ہمدردی و خیر خواہی اور احسان و رواداری کے معاملہ میں اپنی مثال نہیں رکھتا، لیکن احسان و

سلوک اپنے حقوق اور اپنی ملکیت میں ہوا کرتے ہیں، مذہبی اصول و عقائد ہماری ملکیت نہیں جو ہم کسی کو تحفہ میں پیش کر سکیں، اسلام جس طرح غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور حسنِ سلوک کی تعلیم میں نہایت سخی اور فیاض ہے، اسی طرح وہ اپنی سرحدات کی حفاظت میں نہایت محتاط اور سخت بھی ہے، وہ غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی اور انتہائی رواداری کے ساتھ کفر اور رسومِ کفر سے پوری طرح اعلانِ برأت بھی کرتا ہے، مسلمانوں کو غیر مسلموں سے الگ ایک قوم بھی قرار دیتا ہے، اور ان کے قومی شعائر کی پوری طرح حفاظت بھی کرتا ہے، وہ عبادت کی طرح مسلمانوں کی معاشرت کو بھی دوسروں سے ممتاز رکھنا چاہتا ہے، جس کی بے شمار مثالیں قرآن و سنت میں موجود ہیں۔

اگر اسلام اور قرآن کا یہ عقیدہ ہوتا کہ ہر مذہب و ملت میں نجات ہو سکتی ہے تو اس کو مذہب اسلام کی تبلیغ پر اتنا زور دینے کا کوئی حق نہ تھا، اور اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دینا اصولاً غلط اور خلافِ عقل ہوتا، بلکہ اس صورت میں خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآن حکیم کا نزول معاذ اللہ بیکار اور فضول ہو جاتا ہے، اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کا سارا جہاد بے معنی بلکہ ملک گیری کی ہوس رہ جاتی ہے۔

اس معاملہ میں بعض لوگوں کو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۶۲ سے شبہ ہوا ہے، جس میں ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ "یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین ان میں جو بھی اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ان کا اجر ان کے ربّ کے پاس محفوظ ہے، ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے"

اس آیت میں چونکہ ایمانیات کی پوری تفصیل دینے کے بجائے صرف ایمان باللہ و الیوم الآخر پر اکتفاء کیا گیا ہے تو جو لوگ قرآن کو صرف ادھورے مطالعہ سے سمجھنا چاہتے ہیں اس سے وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ صرف اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھنا نجات کے لئے کافی ہے، رسولوںؑ پر ایمان شرطِ نجات نہیں، اور یہ نہ سمجھ سکے کہ قرآن کی اصطلاح میں ایمان باللہ وہی معتبر ہے جو ایمان بالرسول کے ساتھ ہو، ورنہ محض خدا کے اقرار اور توحید کا تو شیطان بھی قائل ہے، قرآن کریم نے خود اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے:

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي

شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ٥ (۲: ۱۳۷) "یعنی ان کا ایمان اس وقت معتبر ہوگا جبکہ وہ عام مسلمانوں کی طرح ایمان اختیار کریں جس میں ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسولؐ لازم ہے، ورنہ پھر سمجھ لو کہ وہی لوگ تفرقہ اور اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں، سو اللہ تعالیٰ آپؐ کی طرف سے ان کے لئے کافی ہے، اور وہ بہت سننے والا جاننے والا ہے۔"

اور پیش نظر آیات میں تو اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ بتلا دیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ کے کسی ایک رسولؐ کا بھی منکر ہو وہ کھلا کافر ہے، اور اس کے لئے عذاب جہنم ہے، ایمان باللہ وہی معتبر ہے جو ایمان بالرسولؐ کے ساتھ ہو، اس کے بغیر اس کو ایمان باللہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔

آخری آیت میں پھر ایجابی طور پر بیان فرما دیا گیا ہے کہ نجاتِ آخرت اُنہی لوگوں کا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے سب رسولوںؑ پر بھی ایمان رکھیں، اسی لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اِنَّ الْقُرْاٰنَ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا	"یعنی قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر و تشریح کرتا ہے۔"

خود قرآنی تفسیر کے خلاف کوئی تفسیر کرنا کسی کے لئے جائز نہیں۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ

تجھ سے درخواست کرتے ہیں اہل کتاب کہ تو ان پر اتار لائے لکھی ہوئی کتاب آسمان سے

فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً

سو مانگ چکے ہیں موسیٰؑ سے اس سے بھی بڑی چیز اور کہا ہم کو دکھلا دے اللہ کو بالکل سامنے

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ

سو آپڑی ان پر بجلی ان کے گناہ کے باعث پھر بنا لیا بچھڑے کو بہت کچھ نشانیاں

بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى

پہنچ چکنے کے بعد پھر ہم نے وہ بھی معاف کیا اور دیا ہم نے موسیٰؑ کو

سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَ

غلبہ صریح ، اور ہم نے اٹھایا ان پر پہاڑ قرار لینے کے واسطے اور

قُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا

اور ہم نے کہا داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے اور ہم نے کہا کہ زیادتی مت کرو

فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾

ہفتہ کے دن میں اور ہم نے ان سے لیا قول مضبوط۔

ربطِ آیات ماقبل کی آیات میں یہود کی بد اعتقادیوں کا ذکر کر کے ان کی مذمت مذکور تھی ان آیات میں بھی ان کی کچھ دوسری خراب حرکتوں کی ایک طویل فہرست اور ان قباحتوں کی بناء پر ان کے عذاب و سزا کا ذکر ہے، اور یہ سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔

خُلاصۂ تفسیر

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ سے اہل کتاب (یہود) یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپؐ ان کے پاس ایک خاص نوشتہ آسمان سے منگوا دیں سو (آپؐ ان لوگوں سے اس کو عجیب نہ سمجھئے کیونکہ یہ فرقہ ایسا معاند ہے کہ) انھوں نے (یعنی اس فرقہ کے جو لوگ موسیٰ علیہ السلام کے وقت موجود تھے انھوں نے) موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی بات کی درخواست کی تھی، اور یوں کہا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا (بلا حجاب) دکھلا دو، جس پر اُن کی گستاخی کے سبب ان پر کڑک بجلی کی آپڑی، پھر اس سے بڑھ کر ان کی یہ حرکت ہو چکی ہے کہ) انھوں نے گوسالہ کو (پرستش) کے لئے تجویز کیا تھا بعد اس کے کہ بہت سے دلائل (تعیین حق و باطل کے) ان کو پہنچ چکے تھے (مراد ان دلائل سے معجزات ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے جن میں سے غرق فرعون بھی، جن کا مشاہدہ ہو چکا تھا) پھر ہم نے ان سے درگذر کر دیا تھا، اور موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے بڑا رعب دیا تھا (اس رعب پر اور ہماری درگذر اور عنایت پر ان لوگوں کی یہ کیفیت تھی کہ نہ عنایت سے متاثر ہوتے تھے نہ رعب سے) اور ہم نے ان لوگوں سے (تورات پر عمل کرنے کے) قول و قرار لینے کے واسطے کوہ طور کو اٹھا کر ان کے اوپر (محاذات میں) معلق کر دیا تھا اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ دروازہ میں عاجزی سے داخل ہونا اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ یوم ہفتہ کے بارے میں (جو حکم تم کو ملا ہے کہ اس میں شکار نہ کریں اس میں حد شرع سے) تجاوز مت کرنا اور (اس کے علاوہ اور بھی) ہم نے ان سے قول و قرار نہایت شدید لئے (جس کا بیان وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ میں مذکور ہے لیکن ان لوگوں نے باوجود اس قدر اہتمام کے پھر اپنے عہدوں کو توڑ ڈالا)۔

معارف و مسائل

یہودیوں کے کچھ سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور آپؐ سے مطالبہ کیا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر لکھی ہوئی کتاب آسمان سے نازل ہوئی تھی، اسی طرح کی ایک کتاب آپؐ بھی آسمان سے لائیں، تو ہم ایمان لے آئیں گے، ان کا مطالبہ اس لئے نہیں تھا کہ وہ دل سے ایمان لانا چاہتے تھے، اور یہ اُن کی ایک شرط تھی، بلکہ وہ ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے کوئی نہ کوئی عذر کرتے ہی رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقتِ حال سے آگاہ فرمایا، اور ان کی تسلی کر دی کہ درحقیقت

یہ قوم ہی ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو ستاتی ہی رہتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت کرنے کے لئے بڑی سے بڑی حرکت بھی کر گذرتی ہے، ان کے آباء و اجداد نے موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی زیادہ بڑی بات کا مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کھلم کھلا دکھلا یا جائے، ان کی اس گستاخی پر آسمان سے بجلی آئی اور ان کو ہلاک کر دیا، پھر توحید اور خدائے واحد لاشریک کے براہین و بینات کو اچھی طرح سمجھنے بوجھنے کے بعد بھی خالق حقیقی کے بجائے بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے تھے، لیکن اس سب کچھ کے باوجود ہم نے عفو و درگذر سے کام لیا، ورنہ تو موقع اس کا تھا کہ ان کا قلع قمع کیا جاتا ———— اور اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے غلبہ عطا کیا ————

ایک موقع ایسا بھی آیا تھا کہ ان لوگوں نے تورات کی شریعت کو ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا تو ہم نے پہاڑ، طور اٹھا کر ان پر معلق کر دیا کہ شریعت کو ماننا ہی ہوگا، ورنہ پہاڑ کے نیچے کچل دیئے جاؤ گے۔ ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ جب شہر ایلیا کے دروازہ میں داخل ہو تو نہایت عاجزی سے اطاعتِ خداوندی کے جذبہ سے سرشار سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو، یہ بھی ہم نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ہفتہ کے روز مچھلیوں کا شکار نہ کھیلو، یہ ہمارا حکم ہے اس سے روگردانی نہ کرو

اور اس طرح ہم نے ان سے مضبوط عہد لے لیا تھا، لیکن ہوا یوں کہ انھوں نے ایک ایک کر کے احکام کی خلاف ورزی کی، اور ہمارے عہد کو توڑ ڈالا تو ہم نے دنیا میں بھی ان کو ذلیل کر دیا، اور آخرت میں بھی ان کو بدترین سزا بھگتنی ہوگی۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ
ان کو جو سزا ملی سو ان کی عہد شکنی پر اور منکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے اور خون کرنے پر
الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ
پیغمبروں کا ناحق اور اس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے سو یہ نہیں بلکہ اللہ نے
عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ
مہر کر دی ان کے دل پر کفر کے سبب سو ایمان نہیں لاتے مگر کم، اور ان کے کفر پر
وَقَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا
اور مریم پر بڑا طوفان باندھنے پر اور ان کے اس کہنے پر
قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ
کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا اور انھوں نے نہ اس کو مارا

وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا
اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے
فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ
ہیں تو وہ لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں کچھ نہیں ان کو اس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں،
وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا
اور اس کو قتل نہیں کیا بیشک بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست
حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ
حکمت والا اور جتنے فرقے ہیں اہل کتاب کے سو عیسیٰ پر یقین لاویں گے اس کی
مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ۚ
موت سے پہلے اور قیامت کے دن ہوگا ان پر گواہ۔

ربطِ آیات ماقبل کی آیات میں بھی یہود کی شرارتوں کا ذکر تھا، اور ان شرارتوں کی وجہ سے ان پر لعن، طعن اور سزا کا بیان ہوا تھا، ان آیات میں بھی یہود کے بعض جرائم کی تفصیل مذکور ہے، اس کے ضمن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کے باطل خیال کی تردید کی گئی ہے، اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ظلم و ستم سے بچا کر زندہ آسمان پر اٹھا لیا ہے، یہ لوگ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دیا ہے اور ان کو سولی دی ہے، یہ سراسر جھوٹا دعویٰ ہے، جس شخص کو انھوں نے قتل کیا تھا وہ عیسیٰ علیہ السلام نہیں تھے، بلکہ ان کے ہم شکل ایک دوسرا شخص تھا، جس کو قتل کر کے یہ لوگ یوں سمجھنے لگے کہ ہم نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دیا۔

خلاصۂ تفسیر

سو ہم نے (ان کی حرکتوں کی وجہ سے) سزائے (لعنت و غضب و ذلت و مسخ وغیرہ) میں مبتلا کیا (یعنی) ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور ان کے کفر و انکار کی وجہ سے احکام الٰہیہ کے ساتھ اور ان کے قتل کرنے کی وجہ سے انبیاء (علیہم السلام) کو (جو ان کے نزدیک بھی) ناحق (تھا)، اور ان کے اس مقولہ کی وجہ سے کہ ہمارے قلوب (ایسے) محفوظ ہیں کہ ان میں مخالف مذہب یعنی اسلام کا اثر نہیں ہوتا تو مذہب پر ہم خوب پختہ ہیں، حق تعالیٰ اس پر